## مولانا آزاد کے فلسفۂ عمرانیات میں

# علم و عملِ قرآن کی اہمیت

ابو سلمان شاہجہانپوری

"مسلمانوں نے قرآن پاک کی تفسیریں بہت لکھیں اور شاید ایک بھی نہیں لکھی [illegible] ہوں کہ سلف کی تفسیریں ناپید ہیں۔ اس لئے ان پر حکم لگانا احتیاط کے خلاف ہے۔ بہر حال کتبِ تفسیر اور علماء کی تفسیری تصنیفات جہاں تک نظر سے گزری ہیں، علامہ ابنِ تیمیہ اور حافظ ابنِ قیم اور خاص ادب و اعجاز کے لحاظ سے ابو الفتح عبدالکریم موصلی (مصنف المثل السائر) اور متاخرین میں حضرت شاہ ولی اللہ سے بہتر قرآن کے محقق نگاہ میں نہیں بچے۔

علامہ ابنِ تیمیہ اور حافظ ابنِ قیم کی مستقل تفسیریں تو ناپید ہیں، لیکن یوں ان کی ہر تصنیف قرآن پاک کی تفسیر کا ایک ٹکڑا ہے۔ علاوہ ازیں علامہ ابن تیمیہ کی تفسیر سورۂ اخلاص، معوذتین اور سورۂ نور الگ بھی چھپ گئی ہیں اور حافظ ابن قیم کی اقسام القرآن، مفتاح دار السعادہ اور ابھی حال میں بدائع الفوائد چھپ گئی ہے۔ ان کتابوں سے ان بزرگوں کی طرزِ تفسیر کا پتہ بخوبی چلتا ہے۔

بات یہ ہے کہ عموماً تفسیریں دو ہی قسم کی لکھی گئی ہیں، یا محض روایتی و نقلی جیسے ابنِ جریر طبری، ثعالبی، قرطبی، بغوی، ابن کثیر وغیرہ، یا تمام تر عقلی جیسے تفسیر کبیر، ابو مسلم نیشاپوری، راغب اصفہانی، امام رازی، نیشاپوری، مدارک و بیضاوی وغیرہ۔ لیکن ایسی تفسیر جس میں عقل و نقل کی پُر احتیاط آمیزش ہو اور جس میں اگر روایتیں ہوں تو وہ بھی روایت و درایت کے پوری اور عقلیات ہوں تو افلاطون اور ارسطو کی پیروی سے آزاد، اگر لکھی گئی تو علمائے اسلام میں یہ سعادت علامہ ابنِ تیمیہ اور حافظ ابنِ قیم کے سوا کسی اور کو نصیب

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نہیں ہوئی ۔"[1]

یہ سطریں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی اس تحریر سے ماخوذ ہیں جو انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن پر تبصرے کی تمہید کے طور پر لکھی تھی ۔ اس تمہید کے بعد سید صاحب نے مولانا آزاد کے اندازِ تفسیر پر ان الفاظ میں اظہارِ خیال فرمایا ہے ۔

"مصنّفِ ترجمان القرآن کی یہ دیدہ وری داد کے قابل ہے کہ انہوں نے وقت کی روح کو پہچانا اور اس فتنۂ فرنگ کے عہد میں اس طرز و روش کی پیروی کی جس کو ابن تیمیہ اور ابن قیم نے فتنۂ تاتار میں پسند کیا تھا ، اور جس طرح انہوں نے اس عہد کے مسلمانوں کی تباہی کا راز فلسفۂ یونان کی دماغی پیروی کو قرار دیا تھا اسی طرح اس عہد کے مسلمانوں کی بربادی کا سبب ترجمان القرآن کے مصنف نے فلسفۂ یونان و فرنگ کی ذہنی غلامی کو قرار دیا اور نسخۂ علاج یہی تجویز کیا کہ کلام الٰہی کو رسولؐ کی زبان و اصطلاح اور فطرت کی عقل اور فلسفہ سے سمجھنا چاہیئے ۔"[2]

اس کے بعد سید صاحب نے سورۂ فاتحہ (ام الکتاب) کی تفسیر پر مفصل اور ترجمان القرآن پر اجمالی تبصرہ فرمایا ہے ۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر کے بارے میں سید صاحب نے ان الفاظ میں اظہارِ خیال فرمایا ہے :-

"اس میں سورۂ فاتحہ کے ایک ایک لفظ کی ایسی دل نشیں تشریح ، اور بصیرت افزا تفسیر ہے کہ اس سے اس سورہ کے امّ الکتاب (اصلِ قرآن) ہونے کا مسئلہ مشاہدۃً معلوم ہونے لگتا ہے ۔ اور اسلام کے تمام مہماتِ مسائل اور اصولِ دین پر ایک تبصرہ ہو جاتا ہے ، خصوصاً قرآن پاک کے طرز استدلال ، خالقِ کائنات کی ربوبیت و رحمت کے آثار و دلائل اتنی تفصیل سے لکھے ہیں کہ مصنّف کی وسعت علم و نظر کی داد بے اختیار دینی پڑتی ہے اور امام غزالی نے " الحکمۃ فی مخلوقات اللّٰہ تعالیٰ " میں اور ابن قیم نے " مفتاح دار السعادۃ " میں اس

---

[1] سلیمان ندوی ، سید ، ترجمان القرآن (مقالہ) ابوالکلام آزاد (مرتبہ عبداللہ بٹ) ۱۹۴۳ء ، ص ۸۲

[2] ایضاً ، ص ۸۳

© rasailojaraid.com

مبحث پر جو کچھ لکھا تھا، اس سے زیادہ بسط و تشریح اور مقتضیاتِ زمانہ
کی مطابقت سے "ترجمان القرآن" میں یہ بحث آگئی ہے چنانچہ توحید
اور دلائلِ توحید، نیز تخلیق بالحق، الہدیٰ اور الدین کی مصنف نے جو قرآنی
تشریحیں کی ہیں، وہ اگر ایک طرف نکتہ پرور ہیں، تو دوسری طرف ایمان پرور ہیں"[1]

آخر میں پورے ترجمان القرآن کے بارے میں لکھتے ہیں:

ترجمان القرآن وقت کی اہم چیز ہے، ضرورت ہے کہ اس کو گھر گھر پھیلایا جائے
اور نوجوانوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دی جائے۔ اور ہر اسلامی دارالمطالعہ
میں اس کا ایک نسخہ منگوا کر رکھا جائے"[2]

لیکن یہاں میرا مقصد مولانا آزاد کے اس شاہکار پر تبصرہ نہیں بلکہ اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ قرآن حکیم مولانا کے فلسفۂ عمرانیات میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ مولانا کے تمام افکار و تعلیمات کا یہ محور ہے۔ برصغیر میں اسلامی اور دینی علوم و معارف کی تعلیم و اشاعت کی ایک طویل تاریخ ہے جس کا سرآغاز سندھ میں مسلمانوں کی پہلی اسلامی حکومت کے عہدِ قیام تک جا پہنچتا ہے لیکن قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت کی تحریک امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے شروع ہوتی ہے۔ ان کے بعد ان کے ابناء عظیم میں شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کی خدمات جلیلہ دعوت و تعلیم قرآن کی تاریخ کا ایک اہم موضوع ہیں۔ لیکن اگر صرف بیسویں صدی میں دعوتِ قرآن کی تحریک پیشِ نظر ہو تو مولانا ابوالکلام آزاد کے سوا کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی جس کے سر دعوتِ قرآن کے آغاز، ذوقِ قرآن کی تربیت اور فہم و تمسک بالکتاب کے فتح باب کا سہرا باندھا جائے۔ اپنی اس بات کو مدلل کرنے کے لئے حضرت سید سلیمان ندوی ہی کے افکار مستعار لیتا ہوں۔ سید صاحب فرماتے ہیں:-

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ نوجوان مسلمانوں میں قرآنِ پاک کا ذوق مولانا ابوالکلام کے الہلال و البلاغ نے پیدا کیا۔ اور جس اسلوبِ بلاغت، کمال انشا پردازی اور زورِ تحریر کے ساتھ انہوں نے انگریزی خوان

---

[1] ایضاً ص ۸۴    [2] ایضاً ص ۸۵

© rasailojaraid.com

نوجوانوں کے سامنے قرآنِ پاک کی ہر آیت کو پیش کیا۔ اس نے ان کے لیئے
ایمان ویقین کے نئے نئے دروازے کھول دیئے اور ان کے دلوں میں
قرآنِ پاک کے معانی ومطالب کی بلندی اور وسعت کو پوری طرح نمایاں کر دیا[۱]
سید صاحب نے بیسویں صدی میں تاریخ دعوت قرآنی کے جس پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا اعتراف وقت کے تمام اکابر اور اہل قلم نے کیا ہے میں صرف سامنے کے چند حوالوں کی طرف اشارہ کر دوں گا تاکہ آئندہ سلسلۂ مطالب کے لئے ایک کڑی مہیا ہو جائے اور ربط کا کام دے۔"

فضل الدین احمد جن کی بدولت ہمیں تاریخ عزیمت دعوت کا شاہکار "تذکرہ" نصیب ہوا جس کی تحریر وانشاء کی رنگینیوں اور اسلوب کی دلربائیوں نے ہمارے ذوق ادبی کی تسکین کے لئے ایک شالامار سجایا اور مباحث کی دلآویزی اور معنی کی بلندی نے ہمارے قلوب کو عزائم اور جذبات ایثار سے معمور اور ہمارے جسموں کو شدائد وقت وجبر کے تحمل کے لئے آمادہ کر دیا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس میں شامل اصحاب سیرت کے تذکار مقدسہ کے سامنے انفاق جان ومال کا بڑے سے بڑا عمل بھی ہیچ نظر آنے لگا ہے۔ ہاں! وہی فضل الدین احمد جو تذکرہ کا محرک وموجب تھے اور تذکرہ کے ساتھ جن کا نام زندۂ جاوید رہے گا۔ تذکرہ کے مقدمہ میں "تمام مذہبی انقلاب" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:-

"الہلال کا سب سے بڑا کارنامہ جو ہمیشہ تاریخ ہند میں یادگار رہے گا وہ پائیدار مذہبی انقلاب ہے جو یکایک مسلمانوں میں اس کی دعوت حق سے پیدا ہو گیا۔ لاکھوں کروڑوں مسلمان ہمیشہ قرآن شریف پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں مگر قرآن کی اصل حقیقت سب سے پہلے اسی نے آشکار کی اور یکایک سب کے دل میں یہ بات اتر گئی کہ ہماری دینی ودنیوی ترقی کی صرف وہی راہ صحیح ہو سکتی ہے جو اس کی رہنمائی سے کھلی ہو۔ رسمی طور پر یہ بات پہلے بھی کہی جاتی تھی لیکن اس طرح کسی نے نہیں بتلائی تھی کہ جاہل سے لے کر عالم

---

[۱] ایضاً، ص ۸۰

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

تک، سب کے دلوں کو مسحور کرلے اور سب بے اختیار ہو کر اس کی طرف کھنچ جائیں۔ اس نے نہ صرف اس کی پکار بلند کی بلکہ قومی زندگی کی ہر بات میں قرآن کی تعلیم دنیا کے سامنے پیش بھی کر دی اور ہر طرف سے ہٹا کر قوم کو صرف مذہب کی سچی راہ پر لگا دیا۔ سیاست، معاشرت، تعلیم، ساری باتوں کی اصل بنیاد صرف مذہب اور قرآن کی تعلیم قرار پاگئی۔ گو ابتدا میں بہت سے لوگوں نے مخالفتیں بھی کیں لیکن رفتہ رفتہ سب نے اس کے آگے سر جھکا دیا اور آج تمام مسلمانوں پر جو رنگ چھایا ہوا ہے، خواہ اس کا ظہور سیاسی مباحث میں ہو، یا کسی دوسری شکل میں مگر سب چل رہے ہیں اسی راہ پر۔

سب سے زیادہ یادگار اور تعجب انگیز اثر اس نے دو جماعتوں پر ڈالا اور یہی دونوں جماعتیں تمام قوم کے لئے بمنزلہ اصل و بنیاد کے ہیں۔ یعنی علماء و مشائخ کا گروہ، اور انگریزی تعلیم یافتہ جماعت۔ اگر الہلال شائع ہو کر اور کوئی کام نہ کرتا۔ صرف ایک عالم، ایک پیر، ایک با اثر جدید تعلیم یافتہ شخص کو اس رنگ میں رنگ دیتا جس میں اس نے تمام قوم کو رنگ دیا، تو صرف یہی کارنامہ اس کی انقلابی قوت کے اعتراف کے لئے کافی تھا۔ علماء و مشائخ کا گروہ جو اپنے مدرسوں اور حجروں سے کبھی جھانک کر بھی دنیا کی حالت پر نظر نہیں ڈالتا تھا، الہلال نے ان کو یکایک نکال کر جد و جہد کے میدانوں میں کھڑا کر دیا۔ اور ان میں سے ہر شخص نے محسوس کر لیا کہ ہم اپنے اصلی فرض کو آج تک بھولے ہوئے تھے، تعلیم یافتہ جماعت کا یہ حال ہوا کہ یا تو یہ گروہ مذہب کے نام سے متوحش تھا، یا اب ہزاروں سر خدا کے آگے جھک گئے اور بعض کا تو یہ حال ہوا کہ بڑے بڑے عابدوں، زاہدوں کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا۔ شب و روز قرآن کی صدائیں ان کی زبانوں سے نکلنے لگیں۔ اس بارے میں جیسے جیسے عجیب واقعات دیکھے اور سنے گئے ہیں اور الہلال کے ایک ایک مضمون بلکہ ایک ایک سطر نے جیسے جیسے ہوش ربا اثر لوگوں پر ڈالے ہیں، ان کو اگر بیان کیا جائے تو ایک پورا رسالہ بن جائے۔[1]

---

[1] فضل الدین احمد، مقدمہ "تذکرہ" (مولانا آزاد) دہلی، شاہیہ اکیڈمی، ۱۹۶۸ء، ص ۱۴، ۱۵

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

فضل الدین احمد نے چند اکابر مثلاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، علامہ اقبال، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی جوہر کے اعتراف اور انقلاب فکر و حال کی مثالیں بھی دی ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم کے بارے میں تو انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ ان کی اسرار خودی اور رموز بیخودی دونوں مثنویاں فی الحقیقت الہلال کی صدا و دعوت قرآن ہی کی بازگشت ہیں[1]

عبداللہ بٹ مرحوم اسی شہر کا ایک باسی اور زندہ دلان لاہور کا ایک رکن تھا۔ شاید اس کے دوستوں نے اسے بھلا دیا اور نوجوان اہل علم و قلم کے کان اس کی جھنکار اور شکر فشانی سے آشنا نہ ہو سکے۔ اس لیے اس کا حوالہ آپ کو عجیب سا لگے لیکن اس کے فکر و مطالعہ کا یہ دلاویز گوشہ ایسا ہے کہ یہاں تک پہنچ کر اس پر نظر ڈالے بغیر گزرا جائے۔ الہلال کی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الہلال" مسلمانوں میں مذہبی انقلاب کا داعی تھا، اس نے قومی زندگی کے ہر شعبہ میں قرآن مجید کی تعلیم پیش کی اور سیاست، معاشرت، تعلیم، غرض مسلمانوں کی قومی زندگی کی تعمیر کے لئے قرآن مجید ہی کو بنیاد قرار دیا۔ اس کی آواز کا اثر یہ ہوا کہ علماء و مشائخ جو اپنے حجروں سے جھانک کر باہر کی دنیا پر نظر نہ ڈالتے تھے، اب انہیں اپنے بھولے ہوئے فرض کا احساس ہوا۔ تعلیمیافتہ طبقہ جو مذہب سے متنفر تھا، خدا کی عبادت میں بڑے بڑے زاہدوں سے بھی چار قدم آگے نکل گیا۔ قرآن کریم کے مطالعہ کا شوق عام ہو گیا اور قرآن کی اصل روح کو پہچاننے کی جستجو بڑھ گئی۔ یہ عظیم الشان انقلاب صرف ابوالکلام کی عظیم الشان شخصیت کا مرہون منت ہے

ع نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نے الہلال کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ "ہم سب اصلی کام بھولے ہوئے تھے، الہلال نے یاد دلا دیا" مولانا محمد علی نے ابتدا میں علی گڑھ کے سلسلہ میں "الہلال" کی مخالفت میں مضمون لکھے۔ لیکن بعد میں خود اس پالیسی پر کاربند ہوئے۔

---

[1] ایضاً، ص ۱۵، ۱۶

جو " الہلال " نے پیش کی تھی ۔ مولانا شوکت علی تو اکثر کہا کرتے تھے ۔ " ابوالکلام نے ہم کو ایمان کا راستہ بتلا دیا " ڈاکٹر اقبال " الہلال " کی تحریروں سے بہت متاثر تھے " اسرارِ خودی " اور " رموزِ بیخودی " الہلال ہی کی صدائے بازگشت ہیں۔[۱] "

اس شہر لاہور میں ایک یادگارِ زمانہ شخصیت مولانا محمد حنیف ندوی کی ہے ۔ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا تقاضا تھا کہ طالبانِ حق کی ایک جماعت ان کے گرد نظر و مطالعہ میں مصروف رہتی لیکن ہمارے ذوق و نصیب کی محرومی کہ انہوں نے اپنے لئے گوشۂ عزلت اور خلوت گزینی کی زندگی کو معمول بنا لیا ہے ۔ آج صورتِ حال یہ ہے کہ لاہور کے ایم اے او کالج یونیورسٹی اور اورنٹیل کالج کے صدر دروازے پر کھڑے ہو کر مولانا کا پتا دریافت کیجیے تو ان [illegible] ممکن ہے ان کے نام سے ناآشنائی کے مظاہرہ کا سامنا کرنا پڑے ۔ لیکن معاف کیجیے گا ان سے میری عقیدت اور رشتۂ نیاز ایسا نہیں کہ میں اس مقام پر فلسفہ و حکمت کے اس آشنا اور علوم و معارفِ دینی کے عالم متبحر تاریخ دعوت قرآنی کے اس نکتہ رس اور مولانا ابوالکلام آزاد کے مقام اور ان کی دعوتِ اصلاح و جہادِ ملی کے اس شناسا سے استفادہ کئے بغیر گزر جاؤں ۔ مولانا محمد حنیف ندوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں :۔

" مولانا نے شاہ ولی اللہ کے بعد ، پہلی دفعہ کتاب و سنت کی آواز اس دلکشی اور معقولیت سے پیش کی اور ان تمام قلعوں کو ، جن کو سرسید اور ان کے قابل رفقا نے بڑی محنت سے تیار کیا تھا ، ایک ہی جنبشِ قلم سے گرا دیا ۔ سرسید کی آواز صرف ان لوگوں تک پہنچی ، جو پہلے سے اس قسم کی آواز کو سننے کے لئے تیار تھے مگر مولانا ہر دل تک پہنچے ۔ مسدس حالی کے بعد " الہلال " وہ مرقع منشور ہے جس نے اسلامی احساسات کو بیدار کیا ، اور مسلمانوں کے لئے بہترین غذائے روح کا اہتمام کیا ۔ مسدس کے اشعار جس طرح عوام کو از بر یاد تھے ، اسی طرح مولانا کے وہ مرصع پر زور فقرے اور بلیغ جملے ، خواص کی محفلوں میں مزے لے لے کر پڑھے اور دہرائے گئے ۔ مولانا نے ایک طرف ، علی گڑھ تحریک کے

---

[۱] عبداللہ بٹ ، ابوالکلام آزاد ، محولہ بالا ، ص ۷ - ۲۰۶

© rasailojaraid.com

مخالفت کی، سرسید کی مذہبی معذرت خواہ پالیسی کی تردید کی اور دوسری طرف سیاسی اعتبار سے مسلمانوں میں خوداعتمادی اور خودداری کے جذبات پیدا کئے۔ آج جس قدر بولنے والی زبانیں، خوددارانہ انداز میں سوچنے والے دماغ اور اسلامیات پر لکھنے والے قلم ہیں، ان سب کی تعمیر و ترتیب میں الہلال نے بڑا حصہ لیا ہے۔ ان سب کو گویائی اور صحیح اندازِ فکر الہلال نے بخشا ہے۔ اس کی اشاعت اور اس کے یقین پرور مقالوں سے نفسیاتی طور پر اس قسم کی فضا پیدا ہو گئی کہ لوگوں نے پھر سے اسلامی علوم و معارف اور اسلامی تاریخ و رجال کو عزت و توقیر کی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔ بلکہ یہ شوق پیدا ہوا کہ اسی انداز میں از سرِ نو تمام تعلیماتِ اسلامیہ کو مرتب کیا جائے۔ مولانا نے اس میں اگرچہ ہر نوع کے مضامین لکھے اور ادبی، ثقافتی، تاریخی اور سیاسی میدانوں میں اپنی جولانیٔ طبع کے جوہر دکھائے، مگر قرآن کی آیات کی تفسیر اور ان کے موزوں استعمال میں آپ نے جو جدت پیدا کی وہ آپ کی مایۂ ناز خصوصیت ہے۔ آپ نے مضامین میں آیاتِ قرآن کو اس طریق سے استعمال کیا کہ ان میں ایک نئی معنویت پیدا ہو گئی ہے[۱]

الہلال کی یہی خدمات اور خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے وہ حضرت شیخ الہندؒ کا محبوب تھا۔ مولانا شوکت علی اور محمد علی جس کے معترف تھے، جس سے استفادے کی وجہ سے مولانا محمد علی نے اس کے اڈیٹر کو اپنا استاد کہا تھا۔[۲] اور علامہ اقبال مرحوم جس کے شیدائی اور قدردان تھے اور نہ صرف اس کے مطالعے کا ذوق رکھتے بلکہ اس کی دعوت کو عام کرنے کے لئے اس کے متعدد خریدار فراہم کئے تھے۔

مولانا آزاد کے الہلال و البلاغ کے یہی وہ خصائص اور خدمات ہیں جن کی وجہ سے گزشتہ دور کے اکابر رجال علم و تہذیب سے لے کر موجودہ دور کے اربابِ فضل و کمال اور اصحابِ ذوق تک کو اس کا مداح و معترف بنا دیا ہے۔ لیکن یہ بات کہ مولانا آزاد کے فلسفۂ عمرانیات میں قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت اور علم و تمسک کی کیا حیثیت تھی، ہمیں

---

[۱] حنیف ندوی، مولانا محمد علی چند خیالات (مقالہ) ابوالکلام آزاد (مرتبہ عبداللہ بٹ) محولہ بالا، ص ۶۹ - ۱۶۸

[۲] حامی مدراسی، سید عباس (مرتب)، اذکار آزاد، لاہور، شیخ قمرالدین، ۱۳۶۵، ص ۳۶ - ۲۷

© rasailojaraid.com

خود مولانا کی تحریروں کے آئینے میں دیکھنی چاہیئے۔ الہلال کے ایک قاری کے جواب میں الہلال کی دعوت کے تعارف میں انہوں نے ایک طویل مقالہ ـــــ سپرد قلم کیا تھا۔ اس میں لکھتے ہیں :

"اس (الہلال) نے روز اوّل ہی سے اعلان کر دیا ہے کہ احیاء و تجدید ملت کے لئے جس قدر تحریکیں ملک میں موجود ہیں، وہ ان میں سے کسی کو بھی تنزل و انحطاط کے اصلی مرض کا کامل علاج نہیں سمجھتا بلکہ ان میں سے اکثر اس طرح کا علاج ہیں جن کے اندر خود نئی بیماریوں کے پیدا کرنے کی ہلاکت موجود ہے۔ پس وہ ان تمام راستوں سے بالکل الگ ہو گیا جو کاروبار اصلاح و ترقی کے پیشتر سے موجود تھے اور پھر نہ تو اس نے تعلیم کو اپنا کعبہ مقصود بتایا، نہ سیاست کو قبلۂ آمال، نہ علم کی رہنمائی قبول کی نہ تہذیب و تمدن سے دستگیری چاہی، صرف یہی ایک صدا بلند کی کہ ـــــ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ (۸ : ۲۱)

مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کے لائے ہوئے حکموں پر عمل کرو اور اس کی طرف سے منہ نہ موڑو اور تم اس کی بھیجی ہوئی آیتیں سن رہے ہو۔

کیونکہ اس کو یقین ہو گیا کہ جب تک مسلمانوں کے اعتقادات و اعمال مذہبی کی اصلاح و درستگی نہ ہو گی اس وقت تک کوئی سعیٔ اصلاح مفید نہیں ہو سکتی۔ پس اس نے اپنے مقصد کو ایک ہی مختصر جملے میں بار بار دہرایا یعنی "دعوۃ الی القرآن" یا "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اور پھر اعمال قومی کی ہر شاخ میں اسی اصل الاصول کو پیش نظر رکھ کر دعوت شروع کی[1]

مقصد کے اس اصل اصول کی وضاحت کے بعد مؤخۃ حالات یہ ـــــ اس کی تطبیق بھی آٹھ دفعات میں کر دی ہے۔ پہلی دو دفعات کا تعلق خاص تعلیمات الٰہی کے علم و عمل اور خدائے واحد سے اپنے رشتۂ عبودیت کی استواری سے ہے۔ مولانا

[1] حامی مدراسی، سید عباس (مرتب) اذکار آزاد، لاہور، شیخ قمرالدین، ۱۲۶۵، ص ۲۶،۲۷

© rasailojaraid.com

لکھتے ہیں:

(۱) مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے تمام کاموں کی بنیاد تعلیم الٰہی پہ رکھیں نہ کہ محض کسی ترقی یافتہ قوم کی تقلید و اتباع کی نقالی پہ یا محض اخذ و تحصیل تمدن، سیاست و وطنیت پہ۔

(۲) اسلام کی اصلی مزیت و فضیلت یہ ہے کہ اس نے ہر طرح کی صداقتوں اور حقیقتوں کو خدا کے رشتے سے منسلک کر دیا ہے اور ہر عملِ صحیح و حق جو اس آسمان کے نیچے کیا جائے، اس کے نزدیک خدا کا کام اور اس کی عبادت ہے۔ پس ہر مسلمان کو صداقت کا عاشق، حقانیت کے لئے مضطر، عدالت کا نگران، حریت کا پرستار ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان وہی ہے جو اللہ کی رضا کے لئے ہر طرح کا دکھ اٹھائے اور اللہ کی رضا اس کی راست بازی اور حق و عدل کی معیت ہی میں ہے۔[1]

اسی مقالے میں آگے چل کر مختلف دعاۃ اصلاح کی وضاحت کے بعد دعوت "الہلال" کا تعارف کراتے ہیں اور اسے مذہب اصلاح میں "اصلاح دینی و اسلامی" کے مسلک کا نام دیتے ہیں اور اس کے مبادی و مقدمات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

(۱) اسلام کے نظم شریعت میں دین و دنیا کی تقسیم نہیں ہے۔ اسلام نے شریعت الٰہی کو نوعِ انسانی کی تمام سعادت و ہدایت کا سرچشمہ قرار دیا ہے اور مسلمانوں کی سیاسی، علمی، اخلاقی، قومی، مدنی زندگی کی بنیاد صرف ایک ہی حقیقت جامعہ پر ہے یعنی شریعت اسلامیہ اور کتاب و سنت پر۔

(۲) مسلمانوں کی قومیت صادقہ کی بنیاد صرف شریعت کا علم و عمل ہے۔ شریعت نے انہیں بتلایا تھا کہ دنیا میں سب سے بڑی قوم وہی ہیں، وہی خیر الامم ہیں، وہی خیر البریہ ہیں۔ وہی شہداء علی الناس ہیں، وہی شہداء اللہ فی الارض ہیں۔ ان کے عروج و سعادت کی علت صرف یہ تھی کہ قرآن حکیم و سنت رسولؐ کو انہوں نے اپنا دستور — حیات قرار دیا تھا۔ قرآن کی نسبت جو صاحب قرآن نے

---

[1] حاشیہ مرزا سید عباس (مرتب) اذکار آزاد، محولہ بالا، ص ۳۷، ۳۸

© rasailojaraid.com

اعلان تھا: ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضع بہ آخرین (رواہ مسلم)
"اللہ تعالیٰ اس کتاب کی ہدایت سے قوموں کو اٹھائے گا اور یہی ہے جس کو ترک کر کے قومیں گریں گی اور ہلاک ہوں گی۔
پس جب مسلمانوں نے قرآن و سنّت کا علم و عمل ترک کر دیا تو اقبال و عروج نے بھی ان سے کنارہ کشی کر لی۔ یہ مسلّم اور حقائق تاریخیہ میں سے ہے کہ مسلمانوں کے عروج و اقبال کا سب سے بہتر اور سار فع زمانہ وہی تھا جب بجز کتاب و سنّت کے علم و عمل کے اور کوئی تعلیم ان کی رہنما نہ تھی۔ یعنی عہد صحابہ کرامؓ و خلفائے راشدین اور تنزل و فساد کا عہد اس وقت سے شروع ہوا کہ جب اقوام مغضوبہ کے علوم و اعمال بدعیہ ان میں رائج ہوئے۔ ایک ہی علت کے دو مختلف نتائج نہیں نکل سکتے۔ پس اگر اب بھی مسلمان اپنے عروجِ رفتہ کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں تو صرف ایک ہی راہ ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر بھی راہیں نکلیں گی گمراہی و فساد کی ہوں گی۔

(۳) اس مسلک کی بنیاد اس ایمانی اور اعتقادی حقیقت پر تھی کہ شریعتِ اسلامیہ آخری و اکمل شریعت ہے اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اور اس کا وعدہ ہے لیظہرہ علی الدین کلہ یقیناً اس وعدے کا ابھی ظہور نہیں ہوا۔ پس ضروری ہے کہ وعدۂ الٰہی ظاہر ہو اور اس لئے مستقبل کے لئے اگر کوئی راہ فوز و فتح ہو سکتی ہے تو صرف دعوتِ شریعت اور احیاء عمل بالقرآن ہی ہے۔" [1]

الہلال کی دعوت اصلاح دینی و اسلامی کے مبادیات چہارگانہ میں مقدمہ رابع میں علمائے اسلام کی غفلت و اعراض کا ذکر ہے اور چونکہ نہ صرف دینی، اسلامی اصلاح میں بلکہ علم و عمل اور اصلاح سیاست و معاشرت کی ہر دعوت میں علماء وقت کے احساس و فکر اور سیرت کی کارفرمائیاں ہمیشہ بہت اہم رہی ہیں اس لئے اس کا مطالعہ بھی افادیت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ مولانا لکھتے ہیں:

(۴) مسلمانوں سے اہتداء و اتباع شریعت مہجور نہیں ہوا مگر علمائے اسلام کی غفلت

---

[1] ایضاً، ص ۵۲ ۔ ۵۰

© rasailojaraid.com

واعراض سے شریعت کے علم وعمل کے وہی حامل و مبلغ تھے اور امت کی حیاتِ شرعیہ کا تمام دار و مدار خود ان کی حیاتِ عملی پر تھا۔ جب قرآن و سنت کا ترک و ہجر ہو، تفرقہ و تشتت اور سبل متفرقہ کا شیوع، اختلاف و تحزب کی عصبیت، علوم محدثہ کا استغراق، حُبِ جاہ و ریاست کا استیلاء، فریضہ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے تغافل، اہواءِ سلاطین و امراء کا اتباع، اجتہادِ فکر و نظر کا فقدان غرض کہ منصب نیابت نبوت کا ضیاع اور احبار و رہبان اہل کتاب کے متذکرہ قرآن مفاسد کا ظہور و احاطہ خود طبقہ علماء میں بحدِ کمال پہنچ گیا تو اس کا لازمی نتیجہ امت کی ہلاکت تھا اور وہ ظہور میں آیا۔ وکان وعد اللہ مفعولا۔ پس اگر اصلاح حال کی کوئی راہ ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ علماء امت کے طبقہ میں احساسِ حال کی تبدیلی پیدا ہو اور وہ اپنے منصبِ عظیم کو از سر نو سنبھال لینے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ اس طرح علم وعملِ شریعت کا احیاء صورت پذیر ہو۔"[1]

اور پھر وقت و حالات کے تذکار اور دعوت کے اصول و مبادی کی تشریح[2] الہلال کی دعوتِ اصلاحِ دینی و اسلامی کے تعارف کے بعد مولانا نے دعوت الہلال کے "مقصد اصلی" کو ان چند جملوں میں سمیٹ دیا ہے۔

> "پس الہلال کا مقصد اصلی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ "مسلمانوں کو ان کے تمام اعمال و معتقدات میں صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے اور خواہ تعلیمی مسائل ہوں خواہ تمدنی یا سیاسی ہوں خواہ اور کچھ وہ ہر جگہ مسلمانوں کو صرف مسلمان دیکھنا چاہتا ہے"۔"[3]

آخر میں دعوت الہلال کے نتیجے کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اگر مسلمان زندگی حاصل کر سکتے ہیں تو مسلمان بن کر، ہندو یا مسیحی بن کر نہیں۔ پھر سوال کرتے ہیں:

> "آپ کے ہاں اگر شمع کافوری جل رہی ہے تو آپ کو کسی فقیر کے جھونپڑے سے اس کا ٹمٹماتا ہوا دیا چرانے کی کیا ضرورت ہے؟"[4]

یہ کافوری شمع وہی کتابِ الٰہی ہے جسے خود لسان وحی و ہدایت میں "نُور"

---

[1] ایضاً، ص ۵۲، ۵۳ [2] ایضاً، ص ۵۶ [3] ایضاً، ص ۱۰۴

© rasailojaraid.com

"وکتاب مبین" کہا گیا ہے اور یہی وہ نسخہ کیمیا ہے جو مسلمانوں کے تمام دکھوں کا مداوا اور تمام امراض قومی و ملی کا علاج ہے۔ تشریح و بیان کے لئے مولانا آزاد ہی کے الفاظ مستعار لیجئے۔ مولانا لکھتے ہیں:

"جس نے خدا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا وہ پھر کسی انسانی دستگیری کا محتاج نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ہر جگہ اپنے تئیں امام مبین، حق الیقین، نور و کتاب مبین، تبیاناً لکل شیئ، بصائر للناس، ہادی و اہدی الی السبیل، جامع اضراب و امثال، بلاغ للناس، ہادی بحر و بر اور اسی طرح کے ناموں سے یاد کیا ہے۔ اکثر موقعوں پر کہا ہے کہ وہ ایک روشنی ہے جب نکلتی ہے تو ہر طرح کی تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ خواہ مذہبی گمراہیوں کی ہو، خواہ سیاسی:

قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ ۔ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (۵ : ۱۵)

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور ہر بات کو بیان کرنے والی کتاب آئی۔ اللہ اس کے ذریعے سے سلامتی کے راستوں پر ہدایت کرتا ہے اس کو جو اس کی رضا چاہتا ہے اور اس کو ہر طرح کی گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتا اور صراط مستقیم پر چلاتا ہے۔

اس آیت میں قرآن کو سبل السلام کے لئے ہادی بتلایا کہ وہ تمام سلامتی کی راہوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اگر آپ کے سامنے پولیٹیکل اعمال کی بھی کوئی راہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سلامتی آپ کو قرآن سے نہ ملے۔ پھر کہا کہ وہ انسان کو تمام گمراہیوں کی تاریکی سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لاتی ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری پولیٹیکل گمراہیاں صرف اس لئے ہیں کہ ہم نے قرآن کے دست راہنما کو اپنا ہاتھ سپرد نہیں کیا۔ ورنہ تاریکی کی جگہ آج ہمارے چاروں طرف روشنی ہوتی۔ آخر میں کہہ دیا کہ وہ "صراط مستقیم" پر لے جانی والی ہے اور "صراط مستقیم" کی اصطلاح قرآن کی زبان میں ایسی جامع و مانع ہے کہ

© rasailojaraid.com

ساری دنیا اسی کے اندر سمجھے"[1]

مولانا کے الفاظ میں یہی شعلہ فشاں آتش کدہ ہے جسے اگر ایک بار گرم کر لیا جائے تو ہزاروں انسانوں کے سینوں کی انگیٹھیاں دہکائی جا سکتی ہیں۔ پھر جن کی گرمی اور حرارت سے کائناتِ انسانی کا ہر گوشہ زندگی سے معمور اور سرگرم ہو جائے گا۔ پس مولانا کے الفاظ میں مسلمانوں کا کام صرف یہ ہے کہ اتباعِ کلمات اللہ و جمیع ماجاء بالقرآن کے لئے تیار ہو جائیں اور اپنے تئیں تمام انسانی تعلیموں اور اقوام کے اتباع و محاکات کے ولولوں سے خالی کر کے صرف ایک ہی معلم کی تعلیم پر چھوڑ دیں۔[2]

قرآن حکیم کی تعلیمات کے بارے میں مولانا آزاد نے اپنے اعتقاد کا صاف صاف الفاظ میں یہ اعلان کر دیا ہے۔

"قرآن کریم صرف نماز اور وضو کے فرائض بتلانے ہی کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ وہ انسانوں کے لئے کامل و اکمل قانون فلاح ہے۔ جس سے انسانی زندگی کی کوئی شے باہر نہیں۔ پس مسلمانوں کی ہر وہ پالیسی اور ہر وہ عمل جو قرآنی تعلیم پر مبنی نہ ہوگا ان کے لئے کبھی موجب فوز و فلاح نہیں ہو سکتا۔"[3]

اس لئے مولانا آزاد کے نزدیک مسلمانوں کی مذہبی و اسلامی اصلاح کے لئے سب سے پہلی چیز یہ تھی کہ وقت کی ضروریات کے مطابق قرآن کی تعلیم و اشاعت کا سروسامان کیا جائے اور جب تک یہ ضروری سروسامان نہ کر دیا جائے مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ دور نہیں ہو سکتی۔ مولانا کے نزدیک کتاب الٰہی کا علم و عمل ہی مسلمانوں کو ان کی زندگی کی معصیتوں سے نکالنے اور انہیں جماعتی زندگی کے برکات و نعائم سے ہمکنار کرنے اور ان کے قیام و بقا کا ضامن ہے۔ ان کے اس عقیدے کا اظہار اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے ترجمان القرآن کے سرورق کی پیشانی کو مسلم کی اس حدیث سے سجایا تھا جو حضرت نافع سے مروی ہے۔ ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً و یضع بہ آخرین۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے علم و

(بقیہ صفا پر)

---

[1] ایضاً، ص ۵۵، ۵۶ [2] ایضاً، ص ۱۱۶ [3] ایضاً، ص ۱۱۹

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com